اُردو لازمی برائے جماعت دہم

حل شدہ پرچہ (معروضی)

حصہ اول (کل نمبر 15 وقت 20 منٹ)

B	-11	B	-6	A	1.
A	-12	A	-7	B	-2
B	-13	C	-8	C	-3
D	-14	C	-9	D	-4
C	-15	A	-10	C	-5

حصہ دوم (کل نمبر 30)

سوال نمبر 2۔ الف، حصہ نثر

عبارت کو غور سے پڑھیں اور نیچے دیئے گئے سوالات میں سے سات کے جوابات اپنے الفاظ میں لکھیں (7x2=14)

جوابات

(i) اس عبارت میں مصنف بظاہر تو ایک فقیر کی حالتِ زار کا بیان کر رہے ہیں کہ جو غربت کے باعث اپنے وطن واپسی کا موقع نہیں مل رہا اور لوگوں سے مدد کیلئے آہ و فریاد کر رہا ہے کہ میں سات بچوں کا باپ ہوں مجھے کھانا/بھیک نہیں چاہیے۔عرض کا مقصد صرف وطن واپس جانا اور اس سلسلے میں تعاون درکار ہے کیونکہ میرا کوئی دوست بھی نہیں۔ در پردہ مصنف فقیر کے دوست نہ ہونے کو ایک نعمت قرار دیتے ہیں۔

(ii) فقیر دو تین منٹ کے وقفے کے بعد اپنی تقریر کی تکرار کرتا تھا کہ میں سات بچوں کا باپ ہوں مجھے بھیک نہیں چاہیے میری آہ و فریاد کا مقصد صرف یہ ہے کہ میرا کوئی دوست بھی نہیں ہے تو آپ مجھے میرے وطن واپس پہنچانے میں میری مدد کریں میں غریب الوطن ہوں میری مدد کریں۔

(iii) فقیر بڑے موثر طریقے سے اپنی حالت زار لوگوں سے بیان کر رہا تھا اور اس کی یہ درد بھری تقریر ہر دو تین منٹ کے وقفے کے بعد انہی الفاظ میں دہرادی جاتی تھی۔

(iv) مصنف دلی کے چاندنی چوک سے گزر رہے تھے کہ ان کی نظر ایک ایسے فقیر پر پڑے جو بڑے موثر طریقے سے لوگوں سے اپنی حالتِ زار بیان کر رہا تھا چونکہ اس کی تقریر ہر دو تین منٹ کے وقفے کے بعد انہی الفاظ میں دہرادی جاتی تو مصنف کو یہ طرز ایسا خاص معلوم ہوا کہ وہ اس شخص کو دیکھنے اور اس کے الفاظ سننے کیلئے ٹھہر گئے۔

(v) مصنف کے خیال میں فقیر کا چہرہ ایک حد تک خوبصورت ہوتا مگر بد معاشی اور بے حیائی نے صورت مسخ کر دی تھی۔

(vi) آفت کا مارا فقیر غریب الوطن تھا وہ سات بچوں کا باپ تھا اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنے گھر چلا جائے مگر کوئی بھی اس کے وطن واپس جانے کے سلسلے میں اس کی مدد نہیں کر رہا تھا ۔فقیر بھیک نہیں مانگتا تھا صرف وطن واپس جانے کے لیے مدد کا خوستگار تھا۔

(vii) فقیر کا قد لمبا تھا اور جسم موٹا تازہ تھا اور چہرہ بھی ایک حد تک خوبصورت ہوتا مگر بد معاشی اور بے حیائی کے باعث صورت مسخ ہو چکی تھی۔

(viii) فقیر سات بچوں کا باپ تھا جن کے پاس واپس جانے کیلئے التجاء کر رہا تھا۔

(ix) فقیر نے مسلمان بھائیوں سے التجاء کی کہ میں بھیک نہیں مانگتا خدا کیلئے مجھ بدنصیب کا حال سنو میں آفت کا مارا سات بچوں کا باپ ہوں میری خواہش ہے کہ میں اپنے وطن کو چلا جاؤں اس سلسلے میں میری مدد کرو کیونکہ یہاں میرا کوئی دوست بھی نہیں ہے۔

ب، حصہ شعر (5x2=10)

(i) اس شعر میں شاعرہ اپنے محبوب کے ساتھ گزارے گئے لمحات کو اپنی زندگی کا قیمتی اثاثہ قرار دیتی ہیں کہ مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ محبوب کی نظر میں آج میرا مقام کیسا ہے مجھے تو یہ بات زیادہ قابل فخر معلوم ہوتی ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا کچھ وقت محبوب کے ہم قدم بھی گزارا ہے اور اس کی رفاقت نصیب ہوئی ہے وصال کے وہ لمحات ہی میری زندگی کا حاصل ہیں۔

(ii) شاعر کے مطابق محرم سے مراد معرفت الٰہی حاصل کرنے والے ہیں اور نامحرم وہ جو روحانیت اور معرفت سے محروم ہیں لیکن اللہ کی ذات کے حوالے سے محرم اور نامحرم دونوں برابر ہیں کیونکہ نامحرم تو اپنی کم علمی اور مادیت کا شکار ہونے کی بناء پر اللہ کی قدرت بیان نہیں کر سکتا جبکہ محرم اللہ تعالیٰ کے رعب وجلال اور حاکمیت کو دیکھ اور سمجھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔ اس کی قوت گویائی اس کا ساتھ نہیں دیتی۔

(iii) شاعر نے فاطمہ بنت عبداللہ کو امت مرحوم کی آبرو اس لیے قرار دیا ہے کیونکہ فاطمہ نے انتہائی کم عمری میں شہادت کا درجہ حاصل کر کے زوال پذیر مسلمانوں کی لاج رکھ لی طرابلس کی جنگ میں اٹلی کی فوجوں کے خلاف میدانِ جنگ میں جس جرات مندانہ انداز سے فاطمہ نے زخمیوں کو پانی پلایا اور جان کا نذرانہ پیش کیا یقیناً یہ جذبہ شہادت امت مسلمہ کی سربلندی کا باعث ہے۔

(iv) شاعر نے وطن عزیز کو حسین و دلکش پھولوں سے سجی ہوئی ایک پھلواری قرار دیا ہے کہ ہمارا وطن اور اس کا ذرہ ذرہ انتہائی خوبصورت ہے اس کے حسن و جمال کی بات ہی کچھ اور ہے ایسا احساس ہوتا ہے کہ جیسے دلکش خوشبو اور حسین و دلربا پھولوں سے بھرا ہوا ایک باغ ہے جہاں بہار جیسی رنگینی اور رعنائی پھیلی ہوئی نظر آتی ہے اس ملک کا ہر کونہ باغ کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

(v) شاعر نے کسان کو مختلف ناموں سے پکارا ہے اسے ایک قوی انسان قرار دیا ہے جو کہ کسی بھی ملک کی ترقی کا ضامن ہوتا ہے اور یہی کسان تہذیب کا پروردگار بھی ہے زرعی پیداوار کی کثرت کسی بھی ملک کی خوشحالی کا باعث ہوتی ہے جس سے تہذیب پروان چڑھتی ہے اور ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے اس طرح یہ کسان ارتقاء کا پیشوا بھی ہے۔

(vi) ارتقاء کا پیشوا سے مراد ترقی کا بانی ہے کسی بھی ملک کی معاشی ترقی اس ملک کی زراعت میں خود کفالت پر انحصار کرتی ہے جو ملک زرعی پیداوار کے لحاظ سے خود کفیل ہوگا اس ملک میں اتنی ہی خوشحالی ہوگی جو کہ کسان کی دن رات کی محنت کا ثمر ہے اس طرح کسان ترقی کا بانی بھی کہلاتا ہے۔

(ج)　حصہ قواعد۔　(3x2=6)

(i) اس شعر میں صنعت تضاد کا استعمال ہوا ہے جب کسی کلام میں یا نثر میں متضاد الفاظ کا استعمال کیا جائے تو ایسی صنعت کو صنعتِ تضاد کہا جاتا ہے صنعت تضاد سے کلام یا بیان میں زور پیدا ہوتا ہے۔

(ii) وہ نظم جس میں رسول پاک کی تعریف اوصاف اور فضیلت بیان کی جائے اسے نعت کہا جاتا ہے نعت میں شاعر نبی پاک سے اپنی محبت اور رعقیدت کا بھی اظہار کرتا ہے۔ مثال

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

(iii) ترکیب

شجاع	فاعل	
نے	علامت فاعل	جملہ فعلیہ ہے
کتاب	مفعول	
پڑھی	فعل تام	

(iv) کل کہہ کر جزو مراد لینا:۔

مجاز مرسل کی اس قسم میں بات تو کُل کی کی جاتی ہے مگر اس سے مراد کسی جزو کی لی جاتی ہے مثلاً

میں پاکستان میں رہتا ہوں۔

یہاں پاکستان کل کہہ کر جزو اس کا کوئی ایک شہر اور علاقہ مراد لی گئی ہے

ii　جزو کہہ کر کل مراد لینا

مجاز مرسل کی اس قسم میں بات تو جزو کی کی جاتی ہے مگر اس سے مراد کل کی لی جاتی ہے

انسان کی زندگی چار دن کی ہے

حصہ سوم (کل نمبر 30)

سوال نمبر 3۔ جزو (الف) تشریح:۔ یہ نثر پارہ سبق نادیو مالی سے لیا گیا ہے جس میں مصنف نے محنت کی عظمت کا پیغام دیا ہے۔ نام دیو رابعہ درانی کے تبصرے کے باغ کا مالی تھا ذات کا ڈھیڑ تھا لیکن سچائی نیکی اور حسن کسی کی میراث نہیں ہوتی اس لئے اس نے مالی کی حیثیت سے محنت اور نیکی کو معراج تک پہنچایا اور فن باغبانی میں اپنا نام کمایا، بقول شاعر:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

نام دیو انتہائی جفاکش مخلص اور ایماندار مالی تھا وہ اپنے حصے کے باغ پودوں اور پھولوں کا اولاد کی طرح خیال رکھتا تھا۔ گرمی ہو یا سردی دھوپ ہو یا سایہ موسموں کی شدت اور حدت اس کے کام میں خلل پیدا نہیں کر سکتی تھی وہ اپنی اس بے مثل کارگزاری پر کبھی بھی انعام یا ستائش کا طلبگار نہیں ہوا تھا اور نہ ہی اس کے دل میں کبھی احساس برتری نے جنم لیا تھا کہ وہ اپنے کام پر فخر کرے اسے اس طرح کی باتوں سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا وہ انتہائی شریف النفس انسان تھا۔ کسی بھی انسان سے اس کی دشمنی یا حسد نہیں تھا بلکہ ہر کسی سے محبت اخوت اور رواداری سے پیش آتا تھا، بقول شاعر۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی

اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

نام دیو نے اپنی محنت اور جہد مسلسل سے یہ ثابت کر دیا کہ محنت ہی سے عمر جاوداں حاصل ہوتی ہے۔ محنت ہی کامیابی اور ترقی کی اصل کنجی ہے اور کام اسی وقت سکون فراہم کرتا ہے جب اسے دلچسپی سے کیا جائے بے مزہ کام کام نہیں بیگار ہوتی ہے۔

مولوی عبدالحق نے نام دیو مالی کی شخصیت اور اوصاف کے تناظر میں انسانی رویوں اور مزاج کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ایک قانون فطرت ہے کہ معاشرے میں عزت، احترام اور مقام و مرتبہ انسان کے کام کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک انسان اپنے کام، پیشے اور شعبے سے جتنا مخلص ہوگا اُسی قدر اُسے اس ذمہ داری کا صلہ ملے گا۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف وصوت

معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

ویسے بھی خالقِ کائنات کا بھی فرمان یہی ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لیے وہ محنت کرتا ہے۔ نام دیو مالی اگرچہ ذات کے حوالے سے نچلے طبقے سے تعلق رکھتا تھا لیکن اپنی محنت کے بل بوتے پر مولوی عبدالحق کی نظروں میں وہ مقام حاصل کر لیا کہ انھوں نے اس کی شخصیت پر پورا ایک خاکہ لکھ دیا۔

سوال نمبر 3۔ جزو (ب)

تشریح: مولوی عبدالحق کو بابائے اردو کہا جاتا ہے انھوں نے اپنی ساری زندگی اردو کی ترقی و اشاعت کے لیے وقوف کر دی۔ اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو کی وساطت سے بے شمار خدمات سرانجام دیں۔ انجمن ترقی اردو کو اتنا فروغ دیا کہ انجمن سارے ہندوستان کے لیے اردو کا مرکز بن گئی۔ اردو زبان اور مسلمانوں سے عشق کا یہ عالم تھا کہ اردو زبان کے لئے آپ نے اپنا گھر نہیں بسایا جب گاندھی جی نے ہندی زبان کو ہندوستان کی قومی زبان بنانے کے لیے بضد ہو گئے اور ہندوستانی کی آڑ میں ہندی کو قومی سطح پر نمایاں کرنے کی ٹھان لی تو مولوی عبدالحق صاحب نے بھی اردو زبان کی تحریک کو وسیع کرنے کے لیے انجمن کا دفتر اورنگ آباد سے دلی منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ مولوی عبدالحق صاحب بہت عزم و ہمت اور مستقل مزاجی رکھنے والے انسان تھے۔ آپ نے دلی میں دریا گنج میں ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی کرایہ پر لے لی اس دور میں یہ کوٹھی دیگر گھروں کے مقابلے میں سب سے بڑی تھی۔ تاریخی لحاظ سے بھی اس کوٹھی کی بہت اہمیت تھی کیونکہ اس کوٹھی میں کانگرس کا مشاورتی جلسہ بھی ہوتا تھا۔ کانگرس کے تمام بڑے لیڈر جمع ہو کر مشورے کرتے رہے اسی کوٹھی کو مولوی صاحب نے اردو کا گڑھ بنایا مولوی صاحب کی اردو سے محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب انجمن ترقی اردو کے لیے امداد بند ہوگئی تو آپ نے اپنی پنشن سے انجمن کے اخراجات پورے کر کے شروع کر دیئے اس کے بعد اپنا کل اثاثہ انجمن کی نذر کر دیا۔

اردو ہے جس کا نام ہمی جانتے ہیں داغ

سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے۔

سوال نمبر 4۔نظمیہ جزو کی تشریح۔جزو (الف)

تشریح:۔میدان کربلا میں گرمی کے باعث تمام جاندار شام تک جھیلوں میں ہی قیام کرتے تھے مچھلیاں سمندر کی نچلی تہ میں چلی گئی تھیں۔پتھر جیسی سخت چیزیں موم کی طرح پگھل گئی تھیں۔لیکن گرمی کی اس شدت میں بھی قافلہ حسین، اسلام کی بقا کے لیے برسرِ پیکار تھا:

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

واقعہ کربلا جہاں اسلام کے جانثاران کے جذبہ ایمانی کی طاقت کا اظہار ہے وہاں راہ حق میں پیش آنے والی سخت ترین مشکلات میں ثابت قدمی کا بھی نمونہ ہے۔حضرت امام حسین اوران کے ساتھی یزیدی افواج کے خلاف اسلام کی سربلندی کی خاطر میدان کربلا میں اترے تو وہ صحرا ان مبارک ہستیوں کی بدولت گل وگلزار بن گیا۔یہاں تک شدید گرمی بھی ان کے حوصلے پست نہ کرسکی۔شاعر نے اس بند میں کربلا کی گرمی کی شدت کی مختلف حوالوں سے منظر نگاری کی ہے۔

شاعر کا کہنا ہے کہ موسم کی سختیوں سے انسان ہی نہیں بلکہ سخت جان جانور بھی نڈھال تھے۔چوپائے شام ہونے تک جھیلوں کے اردگرد ہی قیام کرتے تا کہ سخت موسم کی شدت سے کچھ فراغت نصیب ہو۔مچھلیاں بھی گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے سطح آب پر نہ آتی تھیں بلکہ سمندر کے اندر تہ میں پناہ لیتی تھیں۔

آب رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور

جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر اُدھر

شاعر مزید بیان کرتے ہیں کہ ہرن جیسا چست جانور بھی گرمی کی شدت سے نڈھال اور سُست تھے۔سخت جان چیتے جو اپنی خونخواری اور برق رفتاری کے لیے مثال ہوتے ہیں گرمی سے ان کے رنگ بھی سیاہ پڑ گئے تھے۔گرمی کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پتھر جن کا موسم کی سختیاں کچھ نہیں بگاڑ سکتیں وہ بھی خام موم کی طرح پگھل گئے تھے۔

وہ گرمی کے ایام وہ صحرائے خطرناک

پتے کا نہ سایہ تھا بجز سایہ افلاک

میر انیس مناظر فطرت کی منظر کشی میں لاجواب ہیں وہ پورے منظر پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور محاکات نگاری میں منظر کی چلتی پھرتی تصویر آنکھوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

جزو (ب) "اے اللہ مجھ جیسا نافرمان بندہ تیری حمد بیان کررہا ہے۔تو تمام عالم پر محیط ہے کائنات کے ذرے ذرے سے تیری قدرت جھلکتی ہے"

اسی کا یہ جلوہ ہے چاروں طرف

ہزاروں نشاں ہیں ہزاروں طرف

شاعر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے اس کی کبریائی کا بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ آج مجھ جیسا گنہگار اور نافرمان بندہ تیری حمد وثناء بیان کررہا ہے کیونکہ تیری ذات پاک کی عظمت اور بڑائی اس قدر بے مثال ہے کہ ہر کسی کے دل پہ تیرا رعب ودبدبہ طاری ہے۔تو ہر انسان کے دل میں موجود ہے بقول شاعر

گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹالتے رہے ہیں

لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا

شاعر کا کہنا ہے کہ نافرمان ہونے کے باوجود انسان کا دل یادالٰہی سے غافل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے ارشاد ہوتا ہے۔

وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے وہی معبودِ برحق

ہے اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں

اس بند کے دوسرے شعر میں شاعر بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں اور احسانات اس قدر ہیں کہ اگر انسان چاہے بھی تو ان کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

آیت مبارکہ ہے۔"اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو بھی تو نہیں کرسکو گے"

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

الطاف حسین حالی اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکرادا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے رب کائنات تیری رحیمی وکریمی صفت کو دیکھتے ہوئے ہم پر پہلا فرض تو یہ ہے کہ ہم تیری بندگی کا حق ادا کریں اور تیرا شکرادا کریں لیکن تیری مہربانیاں اس قدر ہیں کہ انسان تیرا حق ادا کرنے کی بساط نہیں رکھتا۔شاعر کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے۔

شاعر دراصل یہ درس دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کریں "ہم امر بالمعروف ونہی عن المنکر" جیسے روشن اصولوں پر عمل کر کے ہی اللہ تعالیٰ کے احسانات کا بدلہ چکانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔

شاعر تیسرے شعر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی کاریگری کی گواہی اس کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے۔بقول شاعر

ہر اک ذرہ فضا کا داستان اس کی سناتا ہے

ہر اک جھونکا ہوا آ کر دیتا ہے پیام اس کا

یہ کائنات اللہ تعالیٰ کا عظیم شاہکار ہے۔اسے دیکھ کر اس کی بڑائی اور عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔اس کائنات کے نظام میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔اس میں غور وفکر کرنے والا اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس کائنات کا تمام نظام اس واحد ہستی کا ترتیب دیا ہوا ہے ارشاد ہوتا ہے

"بے شک آسمان اور زمین کی تخلیق میں رات اور دن کے آنے جانے میں عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں"

اگرچہ ہم اپنی ظاہری آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے لیکن اس کائنات میں موجود ہر چیز اس کی موجودگی کی گواہی دیتی ہے ہر چیز میں اس کا تصور پایا جاتا ہے۔

سوال نمبر 5۔جزو(الف)

تشریح:۔شعرا "راہ وفا میں آنے والی ہر مشکل میرے لیے راحت کا باعث ہے کیونکہ اس راستے میں محبوب کی آرزو میری راہنمائی کرتی ہے "

حسرت موہانی کو رئیس المتغزلین کہا جاتا ہے آپ تحریک آزادی کے ایک سرگرم رکن تھے یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف محاذ کے باعث آپ کو قید بامشقت بھی کاٹنا پڑی جس میں چکی پیسنے کی بیگار بھی شامل ہے ایک جگہ اس بات کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا۔

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی

اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

زیر بحث شعر میں 'تیری آرزو' مجازی محبوب کے حوالے سے بھی مراد لی جاسکتی ہے اور پھر حسرت کے خاص پس منظر کے حوالے سے یہاں مراد آزادی کی منزل بھی ہے قاعدہ ہے کہ منزل جتنی حسین اور بڑی ہوتی ہے اس راہ کی آزمائشیں بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہیں لیکن راہ عشق کی تکلیف مسافر کے لیے ہمیشہ خوشی کا باعث ہوتی ہیں اور اس کے جذبہ وجنون میں اضافہ کرتی ہیں۔

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آسان ہوگئیں

شاعر کا کہنا ہے کہ وطن اور آزادی کی راہ میں مجھ پر آنے والی تکالیف باعث آزار نہیں ہیں بلکہ میرے لیے تو یہ کٹھن مراحل خوشی اور سکون کا باعث ہے کیونکہ میں ان رکاوٹوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔میرے سامنے آزادی جیسی عظیم منزل ہے اور یہ مصائب وآلام، میرے جذبہ آزادہ میں اضافہ کرتے ہیں اور منزل تک رسائی میں میری مدد کریں گے۔

اگر بات مجازی وحقیقی عشق کی ہو تو تب بھی ایک عاشق محبوب کے وصال کے لیے عشق کی ہر تکلیف صبر وتحمل سے برداشت کرتا ہے۔راہ عشق کی آزمائش اسے باہمت بناتی ہے اور وہ قرب محبوب کے لیے اور بھی زیادہ خلوص دل سے کاوشوں کا آغاز کردیتا ہے۔محبوب کی تمنا اس کی رہبر بن جاتی ہے اور وصال محبوب اس کی زندگی کا حاصل

لاؤں وہ تنکے کہاں سے آشیانے کے لیے

بجلیاں بے تاب ہوں جن کو جلانے کے لیے

تشریح:شعر۲ "راہ وفا میں تیز آندھی صبح کی خوشگوار ہوا معلوم ہوتی ہے"

حسرت موہانی نے اپنی زندگی میں مصائب وآلام کا ایک سلسلہ دیکھا خصوصاً تحریک آزادی میں انھیں قدم قدم پر انگریزوں کے ظلم وستم کا سامنا کرنا پڑا لیکن پھر بھی [illegible]

استقلال میں لغزش نہ آئی۔اسی حوالے سے اس شعر میں شاعر کا کہنا ہے کہ اگر دل میں شوق اور منزل کے حصول کے لیے جذبہ عشق ہو تو پھر ہر مشکل آسان لگتی ہے۔بڑے مقاصد اور منازل حاصل کرنے کی جستجو کرنے والوں کے لیے تیز آندھی بھی صبح کی خوشگوار ہوا بن جاتی ہے اور راستہ انتہائی مختصر اور آسان لگنے لگتا ہے۔بقول شاعر:

ہزار برق گرے لاکھ آندھیاں اٹھیں
وہ پھول کھل کے رہیں گے جو کھلنے والے ہیں

جب بات عشق حقیقی و مجازی کی ہو تو اس سلسلے میں بھی ایک عاشق صادق محبوب کے وصال کے لیے ہر تکلیف اور مشکل کو خوشی سے گلے لگا تا ہے۔راہ عشق میں جب ایک صوفی کو مادیت اور دنیا کی رنگینیاں اپنی طرف کھینچتی ہیں تو بڑے ہمت و حوصلے سے تصوف کی راہ میں اپنے قدم آگے ہی بڑھا تا ہے۔اللہ تعالیٰ سے وصال کی خوشی میں اسے معرفت کی راہ کی تمام مشکلات بہت آسان معلوم ہوتی ہیں اور اس کے جذبہ عشق میں اضافہ کرتی ہیں۔اسی طرح مجازی محبوب کے حصول کی خاطر ایک عاشق بڑی سے بڑی تکلیف کو صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہے۔محبوب کا ظلم و ستم اہل زمانہ کی دشمنی اور اپنوں کی لعن طعن اس کے جذبہ عشق کو کم نہیں کر سکتی بقول شاعر

ساحل کے سکون سے کسے انکار ہے لیکن
طوفان سے لڑنے میں مزا اور ہی کچھ ہے

جزو، ب شعرا:

تشریح:۔"ہمیں بے خودی کے عالم میں دشت کے چکر یاد آتے ہیں
محبوب کی یاد جب آتی ہے تو بہت ستاتی ہے"

حسرت موہانی اردو غزل کے ایک اہم شاعر ہیں جنھیں رئیس المتغز لین کا لقب عطا کیا گیا۔آپ نے اپنے خاص طرز سے غزل کو ایک نئی لے سے روشناس کرایا۔جذبات و احساسات کی فراوانی سے ان کا کلام مالا مال ہے۔انہوں نے روایت اور نئے تقاضوں کو ملا کر غزل میں وسعت پیدا کی۔اس شعر میں حسرت عشق میں بے خودی کے عالم کو یاد کرتے ہیں جب جنون و دیوانگی میں خود فراموشی کے عالم میں وہ دشت کے چکر لگا تے تھے اور محبوب کی تلاش میں صحرا کی خاک چھانتے تھے۔دراصل جنون ہی عشق کی اصل معراج ہے جس میں عاشق کو نہ تو قید خانے کا کونہ سکون فراہم کرسکتا ہے اور نہ ہی دنیا کی رنگینیاں اسے سکون دیتی ہیں۔صرف محبوب کا قرب اور وصال ہی اس کی تمنا اور زندگی کا حاصل ہوتا ہے یہی جنون اسے راہ عشق میں ہر طرح کے خطرے سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھنے پر آمادہ کرتا ہے۔

خرد نہیں ہے یہاں بس جنون کا سودا
ہم اس جنون سے آگے مکان بناتے ہیں

مگر شاعر اس حسین دور کی یاد تازہ کرتے ہیں کہ جب وہ بھی عشق کی انتہا پر تھے مگر اب وہ جب سے ہوش یا خرد کے زیر اثر آئے ہیں تو ناکامی ان کا مقدر بن گئی۔زندگی کی دیگر تلخیوں نے انھیں جذبہ عشق کی شدت سے محروم کر دیا ہے۔اب وہ عقل کے غلام ہیں تو ناکامی ہی سامنے آ رہی ہے۔

غم جہاں کے تقاضے شدید ہیں ورنہ
جنون کوچہ دلدار ہم بھی رکھتے ہیں

شعر۲ تشریح "محبوب کی یاد شدت سے دل کو تڑپاتی ہے"

حسرت موہانی کا یہ شعر یادِ محبوب اور اس کے کرب کی عکاسی کرتا ہے۔شاعر کا کہنا ہے کہ اگرچہ ہمیں محبوب کی اکثر یاد آتی رہتی ہے مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی یاد مہینوں نہ آئے اس کی وجہ غمِ روزگار بھی ہوسکتا ہے مگر جب پھر ان کی یاد آتی ہے تو بہت شدت سے آتی ہے بقول شاعر

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا

وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا

یہ یادِ محبوب کی بھی ہے اس کے وعدوں کی بھی اور اس کے ساتھ گزارے ہوئے لمحوں کی بھی۔اس میں ایک کسک بھی ہے اور وہ لطف بھی جو حال کی تلخی کو قابل برداشت بنا دیتا ہے۔ حسرت نے چونکہ اپنی زندگی میں بہت سے نشیب و فراز بھی دیکھے خصوصاً تحریک آزادی کے حوالے سے آپ کی زندگی کافی زیر و بم سے دوچار رہی۔اسی لیے حسرت محبوب کی یاد سے بھی کچھ دیر غافل ہوتے ہیں مگر پھر کیفیت یہ ہوتی ہے

یاد وابستہ ہے جسے بھول گیا خلوت میں

تم تو ہر وقت میرے ساتھ رہا کرتے ہو

اسی حوالے سے شاعر بیان کرتے ہیں کہ میں زندگی کی تلخیوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے کبھی تو محبوب کی صورت بھی فراموش کر بیٹھتا ہوں کہ مہینوں تک محبوب کی یاد نہیں آتی مگر یہ صورتحال جلد ہی بدل جاتی ہے اور محبوب کی یاد ستانے لگتی ہے مراد یہ کہ ایک عاشق صادق کبھی بھی محبوب کی یاد سے غافل نہیں رہ سکتا۔بعض اوقات محبوب کی ستم ظریفی بھی عاشق کو ترکِ عشق کی طرف مائل کرتی ہے مگر جلد ہی محبوب کی یاد پھر سے عاشق کو راہِ عشق پر لے آتی ہے اور ایک عاشق کبھی بھی یادِ محبوب سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔

پھر اس کی یاد چلی یوں ہاتھ تھام کے

میلے میں اس جہاں کے کھونے نہیں دیا

سوال نمبر 6۔ درخواست

بخدمت جناب چیئرمین صاحب یونین کونسل نمبر 45اب ج

جناب عالی!

میں شہراب ج کے علاقے۔۔۔۔۔کی رہائشی ہوں اور عرصہ چالیس سال سے یہاں مقیم ہوں. یہ درخواست لکھنے کا مقصد آپ کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف مبذول کروانا ہے اور وہ ہے علاقے میں بڑھتی ہوئی گندگی اور صحت وصفائی کے اصولوں کا ناقص انتظام۔ ہمارے علاقے میں صحت وصفائی کا عملہ اپنے فرائض سے غفلت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ جگہ جگہ کوڑے کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔ کوڑا اٹھانے والے کئی کئی دن ڈیوٹی پر حاضر ہی نہیں ہوتے، مکھیاں، مچھر اور بدبو نے جگہ جگہ بسیرا کر رکھا ہے جس سے ملیریا اور ڈینگی کی بیماری پھیلنے کا خدشہ ہے۔ اس کے علاوہ یہاں نالیوں اور گٹر کی صفائی بھی نہیں کی جاتی جس کے باعث بارش ہونے کی صورت میں پانی جمع ہو جاتا ہے اور گھر سے باہر نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اہل محلّہ سخت پریشانی کا شکار ہیں۔ مودبانہ التماس ہے کہ:

☆ کوڑا کرکٹ اٹھانے کے لیے فرض شناس عملہ تعینات کیا جائے۔

☆ نالیوں اور گٹروں کی صفائی کروائی جائے تا کہ نکاسی کا عمل ہو سکے۔

☆ مچھر اور کیڑے مار ادویات کا سپرے کروایا جائے۔

میں امید کرتی ہوں کہ آپ ان امور کی طرف جلد توجہ دے کر کوئی حکمت عملی اپنائیں گے اور اہل علاقہ کو ان مسائل سے چھٹکارا دلا کر شکریہ کا موقع فراہم کریں گے

عین نوازش ہوگی

مورخہ 10 فروری 2022ء درخواست گزار

اہل علاقہ: ب ج د

سائنس کے کرشمے

آنکھ جو دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

سائنس کسی چیز کی حقیقت کو تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں جانچنے اور پرکھنے کا نام ہے۔ جب انسان نے کائنات کے بارے میں غور وفکر کرنا شروع کیا تو اس پر عجیب وغریب حقیقتیں آشکار ہوتی چلی گئیں۔ اس نے اپنی تحقیق وجستجو کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ انسانی ترقی کی نئی نئی راہیں تلاش کر لیں۔ آج کا انسان ہوا کے دوش پر سوار ہو کر ہزاروں میلوں کا فاصلہ چند گھنٹوں میں طے کر لیتا ہے۔ طب کے میدان میں حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے پرانے دور میں انسان وبائی امراض کا شکار ہو جاتا تھا، لاکھوں افراد طاعون، چیچک، تپ دق اور تپ محرقہ جیسی بیماریوں سے ہلاک ہو جاتے تھے۔ اب انسان نے ان بیماریوں کا علاج دریافت کر لیا ہے۔

ایکسرے، ای سی جی اور سٹی سکین کے ذریعے انسان کی اندرونی بیماریوں کو کھوج لگا کر ان کا علاج ممکن ہو گیا ہے۔ تابکار شعاعوں کی مدد سے خون، جلد اور سرطان کی بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ جراحی میں لیزر کا استعمال عام ہو گیا ہے۔ انتقالِ اعضا بڑی آسانی سے کی جا رہی ہے۔ ناکارہ گردوں کی جگہ مشینیں کام کر رہی ہیں۔ انتقالِ قلب کے کامیاب تجربات بھی ہو چکے ہیں۔ مصنوعی پھیپھڑے اور مصنوعی تنفس کا استعمال بھی کیا جا رہا ہے۔

سائنس کی اہم ترین ایجادات میں سے ایک بجلی ہے۔ بجلی کی ایجاد اور دریافت نے انسانی زندگی کو ایک عظیم انقلاب سے روشناس کرا دیا۔ بجلی انسانی معاشرے کی ترقی کے لیے ایک ایسی طاقت ثابت ہوئی جس نے راتوں کو بھی دن کی مانند روشن کر دیا۔ سائنسی اور صنعتی ترقی کو تیز رفتاری کے پہیے لگ گئے۔ بجلی کی مدد سے کارخانے دن رات چلنے لگے۔ شہروں میں روشنیوں اور رونق کو چار چاند لگ گئے۔

سائنسی ایجادات اور نت نئی دریافتوں نے بنی نوعِ انسان کی سفری سہولیات میں بھی بے پناہ اضافہ کر دیا ہے۔ ذرائع نقل وحمل اور آمد ورفت میں اتنی ترقی ہو گئی کہ دنوں کا سفر گھنٹوں میں اور گھنٹوں کا سفر منٹوں میں طے ہونے لگا ہے۔ کاریں، بسیں، ریل گاڑیاں، بحری جہاز، ہوائی جہاز سب کا وجود سائنس ہی کا مرہونِ منت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس کی بدولت انسانی معاشرہ ترقی اور خوش حالی کی روشن تصویر بن گیا۔ انسانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کے مواقع میسر آئے۔ زراعت، تجارت، صنعت وحرفت کے میدان میں ترقی ہونے سے روزگار کے مواقع میں اضافہ ہوا۔

سائنسی کرشموں میں سے اہم ترین کرشمہ یہ ہے کہ سائنسی ایجادات اور دریافتوں نے وقت اور فاصلوں کو سمیٹ دیا ہے۔ عالمی سطح پر رابطوں کے نظام میں بہتری آنے سے ساری دنیا ایک گلوبل ویلج کی صورت اختیار کر چکی ہے۔

ایٹمی توانائی کے پرامن استعمال نے زراعت اور طب میں عظیم انقلاب برپا کر دیا ہے فصلوں کے لیے عمدہ بیجوں کا انتخاب ممکن ہو گیا ہے۔ جس سے فی ایکڑ پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے۔ پاور ری ایکٹر سے سستی بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ جدید کھادوں کی تیاری سے زمین کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ سیم اور تھور پر قابو پانے کے لیے نئے طریقے دریافت ہو رہے ہیں۔ کرم کش ادویات کے استعمال سے کروڑوں ٹن غلہ محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ فصلوں پر سپرے کر کے موذی حشرات ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ دریاؤں پر بند باندھ کر اور ڈیم بنا کر پانی کی کمی پوری کر لی گئی ہے۔

کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی مدد سے انسانی زندگی کے کئی شعبوں میں انقلاب آ گیا ہے۔ دفتری حسابات کمپیوٹر کی مدد سے کیے جاتے ہیں۔ اب تو کمپیوٹر کا استعمال بحری جہازوں، آبدوزوں، مصنوعی سیاروں، خلائی جہازوں، ذرائع نقل وحمل، برقی آلات اور دیگر بے شمار مصنوعات میں ہو رہا ہے۔ کتابوں، اخبارات اور رسائل کی چھپائی بھی اب کمپیوٹر کی مدد سے ہو رہی ہے۔ کمپیوٹر کا استعمال دفاعی مقاصد کے لیے بھی عام ہو گیا ہے۔ بمبار طیارے اور گن شپ ہیلی کاپٹرز کمپیوٹر کی مدد سے چلائے جاتے ہیں۔ مزائل ٹیکنالوجی میں کمپیوٹر اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ آج انسان سائنسی تحقیقات کی بنا پر چاند کو مسخر کرنے کے بعد زحل، مشتری اور مریخ کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہے۔ سائنس دانوں نے خلائی سٹیشن بنا لئے ہیں۔ جہاں سے وہ مختلف سیاروں پر جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

یہ درست ہے کہ سائنس نے انسان کے لیے بہت سی سہولتیں ہیدا کی ہیں۔ لیکن سائنس کا ایک پہلو بہت خطرناک ہے۔ انسان نے ایسے ایسے مہلک بم ایجاد کر لیے ہیں جو چند منٹوں میں پورے کرہ ارض کو تباہ کر سکتے ہیں انسان کے لیے ضروری ہے کہ سائنسی تحقیقات انسانیت کی بھلائی اور بہتری کے لیے استعمال میں لائے نہ کہ اس کی تباہی اور بربادی کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو علم وحکمت کے خزانے عطا فرمائے ہیں انہیں انسانیت کی خدمت کے لیے وقف کر دے۔ انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ اسے اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے ایک دن خالقِ کائنات کے سامنے پیش ہونا ہے۔

وقت کی پابندی

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی

گردوں نے گھڑے وقت کی اِک اور گھٹا دی

وقت دریا کے بہاؤ کی مانند ہے جو بہتا ہی چلا جاتا ہے وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا اور گزرا ہوا وقت کبھی واپس نہیں آتا۔ ہر فرد کو وقت کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔ جو وقت کا ساتھ نہیں دیتا وقت بھی اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ جو وقت کی قدر نہیں کرتا وہ پچھتا تا رہ جاتا ہے۔

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

سدا عیش دوراں دکھاتا نہیں

وقت ایک عظیم دولت ہے۔ اس دنیا میں عزت اور ناموری حاصل کرنے کے لیے وقت کی قدر کرنا بہت ضروری ہے۔ جو شخص وقت کی قدر نہیں کرتا وہ ایک قیمتی خزانہ ضائع کر دیتا ہے۔ نظام کائنات ہمیں پابندی وقت کا درس دیتا ہے۔ چاند سورج ایک مقررہ وقت پر طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔ موسم بھی ایک مقررہ وقت پر آتے ہیں۔ موسموں کی مناسبت سے باغوں کے پھل پکتے ہیں۔ کھیتوں میں اناج پیدا ہوتے ہیں۔ گرمی کی فصلیں گرمی میں پکتی ہیں اور سردی کی فصلیں سردی میں۔ رات اور دن بھی وقت کی پابندی کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ اگر قدرت کے تمام مظاہر وقت کے پابند نہ ہوں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے۔

وقت مسلسل کڑیوں کی ایک زنجیر ہے۔ لمحے، سیکنڈ، منٹ، گھنٹے، دن، ہفتے، مہینے، سال اور صدیاں، سب باہم ایک دوسرے سے منسلک ہو کر وقت کی زنجیر کی تشکیل کرتے ہیں۔ وقت لمحوں، گھڑیوں اور سالوں، صدیوں کی صورت گزرتا ہی چلا جا رہا ہے۔ وقت کو ضائع کرنا خود کو خسارے اور ہلاکت کا شکار کرنے کے مترادف ہے۔ وقت ضائع کرنے والا اس خوش فہمی اور غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے کہ وہ وقت کو ضائع کر رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وقت اُسے ضائع کر دیتا ہے۔ وقت گزر جانے پر ناکامی اور نامرادی ملتی ہے تو انسان کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے لیکن سوائے پچھتاوے کے کچھ ہاتھ نہیں آ سکتا اور انسان یہی کہتا رہ جاتا ہے کہ:

ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں

میں ہر ایک کام کرنے میں

وقت تیز رفتاری سے گزرتا ہے اور کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔ سرورِ کائنات ﷺ نے بھی وقت کو ایک ایسی تلوار سے تشبیہ دی جو کسی بھی لمحے رکتی نہیں بلکہ کاٹتی ہی چلی جاتی ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی زندگی کے روزمرہ معمولات اور معاملات کو منظّم طریقے پر ڈھالنا چاہے تو اسے چاہیے کہ ہر کام کو اس کے مقررہ وقت پر سرانجام دے۔ آج کا کام کبھی کل پر نہ ٹالے اور اِسی کو اپنی عادت بنالے تو اس عمل کو وقت کی پابندی کہا جائے گا۔ یہ بات مشہور ہے کہ سکندرِ اعظم نے مرتے وقت اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ کوئی میری ساری سلطنت لے لے اور مجھے زندگی کے چند لمحے اور دے دے۔ ایسا کون کر سکتا ہے یہ تو کسی کے بس میں ہے ہی نہیں۔

ارکان اسلام یعنی نماز، روزہ اور حج ہمیں پابندی وقت کا درس دیتے ہیں۔ ہر نماز کا وقت مقرر ہے۔ مؤذن مقررہ وقت پر اذان دیتا ہے۔ رمضان کے روزے مقررہ مہینے میں ہی رکھے جاتے ہیں۔ حج بھی مقررہ وقت پر ادا کیا جاتا ہے۔ ان تمام چیزوں کو دیکھتے ہوئے ہمیں وقت کی پابندی کا احساس ہونا چاہیے۔

انسان کا تعلق چاہے کسی بھی شعبہ زندگی سے کیوں نہ ہو اسے وقت کا پابند ہونا چاہیے۔ کسان اگر وقت پر کھیتوں میں ہل نہ چلائے، وقت پر بیج نہ بوئے، فصلوں کو مقررہ وقت پر پانی نہ دے تو وہ فصل کاٹنے کی توقع کس طرح کر سکتا ہے۔ ایک طالب علم اگر محنت نہ کرے سارا سال کھیل کود میں ضائع کر دے اور وقت کی قدر نہ کرے تو وہ امتحان میں کیونکر کامیاب ہوگا۔ اگر کوئی مزدور وقت پر کام نہ کرے۔ کارخانہ دار وقت پر کام نہ کروائے تو اسے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ کہا جاتا ہے کہ نپولین کا ایک جرنیل میدان جنگ میں وقت پر نہ پہنچا تو اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم وقت ضائع نہ کریں۔ جو زمانہ گزر گیا ہے وہ تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ صرف حال ہمارے قبضہ میں ہے۔ اگر ہم حل سنوارنے کی کوشش کریں تو ہمارا مستقبل خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس کا آج کل سے اچھا ہے، وہ اچھا ہے" جس کا آج کل سے بُرا ہے اس نے سب کچھ ضائع کر دیا جو دوبارہ کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو کام وقت مقررہ پر کر لیا جائے وہی بہتر ہے۔ اگر اسے ادھورا چھوڑ دیا جائے تو اس کا مکمل ہونا مشکل ہو جائے گا۔ بعض اوقات بہت ضروری کام وقت پر نہ کیا جائے تو بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ایسا نقصان ہوتا ہے جس کی تلافی ناممکن ہو جاتی ہے وقت کی پابندی نہ کرنے والے لوگ ہمیشہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ اس کے برعکس وقت کی پابندی کرنے والے ہمیشہ خوشگوار زندگی گزارتے ہیں۔

ایک طالب علم کے لیے وقت کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے۔ زمانہ طالب علمی انسان کے کردار کی تعمیر کا زمانہ ہوتا ہے۔ جو طالب علم وقت کی پابندی کرتے ہیں وقت پر سکول جاتے ہیں، سکول کا کام وقت پر کرتے ہیں۔ وقت ضائع نہیں کرتے وہ علم کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ ان کی پابندی وقت کی عادت مستقبل میں بھی ان کی کامیابی کی ضمانت بنتی ہے۔ وہ زندگی کی تمام تر منازل آسانی سے طے کر جاتے ہیں۔ وقت کی پابندی انہیں عملی زندگی میں کام دیتی ہے۔

وہ قوم جو وقت کی پابند نہیں ہوتی وہ ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتی جبکہ وقت کے زیاں کی وجہ سے وہ تنزل اور پستی میں گر جاتی ہے۔ وقت کی پابندی یہ ہے کہ ہر کام وقت مقررہ پر کیا جائے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا فرض ہے کہ ہم وقت کی قدر کریں۔ اس کا ایک ایک لمحہ غنیمت جانیں۔ غفلت سے کام لیتے ہوئے اپنی دنیا اور آخرت خراب نہ کریں۔ ایسے کام کریں جن سے دین و دنیا میں ہماری بھلائی ہو۔